

اردو غزل میں حسن اور ادراکِ حسن

Abstract: *Beauty and its perception are embedded in human nature. Different conceptions about beauty bring diversity and variety to its concept. The poets have provided a colorful visage to beauty in poetry particularly ghazal. And those colors have not faded with passage of time. Ghazal has its own form which not only unveils beauty but also its manifestations. Beauty and its perception have provided ghazal its peculiar charm. Ghazal poets through the amalgamation of outwardly allure and inner charm have not only made beauty their inner voice but also the heartbeat of others. Ghazal continued its journey with all its vigor where modern poets carved the ghazal throughout its history. In this light, this thesis will present views of Urdu ghazal poets and perceptions of beauty and its manifestations.*

حسن انسان کی زندگی میں اہم مقام رکھتا ہے۔ حسن سے لطف اندوز ہونا انسانی سرشت میں شامل ہے۔ حسن کیا ہے؟ اس کے بارے میں کوئی واضح نظریہ تو پیش نہیں کیا جاسکا تاہم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک اصطلاح اضافی (Relative Term) ہے۔ جو انسان کے مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی نظریات کی مرہون منت ہے۔ کچھ لوگ اسے قائم بالذات سمجھتے ہیں اور کچھ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں موجود ہوتا ہے۔

حسن محض سفید رنگت ہے تو افریقہ کے دیو قامت سیاہ جہشی کیا ہوں گے؟ ان کے ہاں خوبصورتی کا کیا معیار ہے؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمان مذہبی اعتبار سے طہارت کو حسن کا حصہ سمجھتے ہیں جب کہ افریقہ کے قبائل کی کچھ عورتیں آج بھی ریچھ کی چربی بدن پر مل کر اپنے آپ کو حسین بناتی ہیں۔

حسن کا مفہوم اور معیار زمان و مکاں کی حدود سے بالاتر خواہ کچھ بھی ہو یہ بات بالاتفاق طے شدہ ہے کہ حسن ایک ایسا نظارہ ہے جو انسانی دل کو خوش کر دے۔ راحت اور مسرت کا احساس پیدا کرے۔ انسانی حسیات کو کیف و سرور بخشنے۔ فلپ سڈنی کا کہنا ہے :

”حسن ہر چیز پر محیط، ہر چیز میں ساری، ہر چیز سے صادر ہے اور اس کے شہود کی لا تعداد صورتیں

ہیں۔“^۱

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

سنڈنی محض حسن کو اہم قرار نہیں دیتا بلکہ اس کی تلاش اور ادراک کو بھی ضروری تصور کرتا ہے۔ ہر ایک کا تصور حسن الگ الگ ہوتا ہے اور اسی تنوع نے حسن میں رنگارنگی اور بوقلمونی بھر دی ہے۔ حسن بہر حال ظاہری کشش کا نام ہے جو انسان کو بہ اندازہ گردیکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اسے انسان کی بد قسمتی قرار دیتے ہیں کہ وہ حسن کو دیکھ تو سکتا ہے لیکن اُسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ۲

حسن سے محبت کرنے والا اس کے پیام کو نہ سمجھ سکے تو بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس ادھورے پن کی تکمیل کرنے کے لیے شعرانے خارجی و داخلی جذبات سے مملو کلام کو حسن کے جلوؤں سے معمور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ ادب بالخصوص شاعری محض حسن کی شارح نہیں بلکہ اس میں زندگی کی آفاقی اقدار نے بھی جگہ پائی ہے لیکن پلڑا حسن کا ہی بھاری رہا۔ خاص طور پر غزل کو حسن اور حسن کاری کا جو رنگین پیرہن عطا کیا گیا اس کے رنگ زمانے کے تغیر و تبدل سے بھی پھیکے نہ پڑ سکے۔ اس صنف پر کئی تہذیبوں اور تحریکوں نے اپنے اثرات مرتب کیے۔ اہل عرب کے بت ہوں یا نسوانی کردار، خوبصورت علماں ہوں یا بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں، غزل میں سبھی حسن کے تصور کو ابھارتے نظر آئے۔ اس کے ساتھ ہی ایرانی اثر کے تحت ستائش حسن کا موضوع بھی غزل کی زینت بنا۔ حسن پردہء تجرید میں تھا تو اسے چاہے جانے کی خواہش انسانی شکل میں نمودار ہوئی۔ یوں حسن اور اس کے ادراک نے اردو ادب اور بالخصوص غزل پر اپنا طلسم پھونک دیا۔ غزل کا اپنا ایک منفرد سانچہ ہے جو نہ صرف حسن بلکہ اس کی جلوہ انگیزیوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غزل کا اپنا حسن بے نقابی سے نہیں بلکہ اخفائے حسن سے ہے:

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ڈاکٹر یوسف حسین خان کہتے ہیں:

”حسن و عشق غزل میں زندگی کی تمثیل بن جاتے ہیں اور شاعر ان کے ذریعے سے رموزِ حیات کو بے نقاب کرتا ہے۔ حسن سے بڑھ کر تخیل کو چھیڑنے اور اکسانے والی کوئی دوسری چیز نہیں اس لیے وہ غزل گو شاعر کو عزیز ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ میری رعنائی خیال کا انحصار محبوب کے تصور حسن پر ہے:

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں

حسن کا یہ ادراک فطرت کے حسن سے کشید کردہ ہے۔ قدرتی نظارے، آبشاریں، درخت اور لٹکتی ہوئی ڈالیاں، پھولوں سے بھرے بن اور سبزے سے بھرے کوہ و دامن شاعر کو انسانی حسن کے لیے تشبیہات مہیا کرتے ہیں۔ شاعر کا تخیل اسے فطرت کی رنگینیوں سے مسحور کرتا ہوا حسن اور خاص طور پر نسوانی حسن کی طرف لے جاتا ہے۔ عورت کا حسن و جمال، نزاکت، غمزہ، عشوہ اور ادائیں شاعر کو شاعر بنادیتی ہیں:

تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا
ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا
جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

یہ تصورات نہ صرف شاعر بلکہ قاری کے دل کو بھی شگفتگی اور تسکین پہنچاتے ہیں۔ بقول پروفیسر منظر ایوبی:

”غزل اپنی ہیئت کے اعتبار سے حسن و عشق کے تعلقات کی عکاسی کے لیے زیادہ موزوں و

مناسب ہے۔ بائیں سبب ولی تا غالب غزل کا بنیادی موضوع یہی نظر آتا ہے۔“ ۱۰

غزل گو شعرانے خارج اور داخل کے امتزاج سے حسن و جمال کو نہ صرف اپنے دل کی آواز بنایا بلکہ دوسروں کے دل کی دھڑکن بھی بنادیا اور اس میں ایسی آفاقیت بھردی کہ:

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کے مصداق شاعر کی ذاتی واردات اس کے حسن بیان سے قاری کے دل کی واردات بن گئی اور وہ بھی حسن کے ادراک میں شاعر کا ہم قدم ہو گیا۔ یہ انداز بیان کلاسیکی شعر اتک ہی محدود نہ رہا بلکہ آج بھی غزل کا مرکزی موضوع حسن کاری اور محبت کی سرشاری ہے۔ غزل گو اس طلسم سے باہر آہی نہیں سکا یا وہ اس آسودگی سے باہر نکلنا چاہتا ہی نہیں۔ غزل کے بیشتر اشعار محبوب کے حسن و جمال کو نئے نئے رنگ و آہنگ سے پیش کرتے ہیں۔ اب اُن کے حسن میں حسن نظر بھی شامل ہے۔

سعادت نظیر اسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں:

”غزل کا اہم ترین موضوع حسن و جمال ہے اور اسی صنف میں رعنائی جمال کے احساس کے اظہار کی بھرپور گنجائش ہے۔ حسن سے مراد محبوب کی وہ تمام ظاہری و باطنی خوبیاں ہیں جن سے شاعر کے فکر و احساس متاثر ہوتے ہیں اور قلب و نظر تسکین پاتے ہیں۔ صوری حسن محبوب کے خط و خال، تناسب اعضاء، بدن کے لوچ اور رنگ و روپ وغیرہ سے عبارت ہے اور معنوی حسن میں مہر و محبت، شوخی و شرارت، عشوہ و غمزہ۔“ ۱۱

حسن محض سراپا نگاری کا نام نہیں بلکہ وہ تمام ہتھیار جو حسن کو حسن بنانے میں مددگار ہوتے ہیں اور محبوب کو محبوب بناتے ہیں حسن کا لازمہ ہیں۔ حسن کی آواز ہو، خوشبو ہو یا لمس سبھی کا ادراک شاعر کو اظہار کی دعوت دیتا ہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ حسن حواسِ خمسہ کو تسکین پہنچانے کا سبب ہے بلکہ ولی کے ہاں تو اس کا خیال ہی دل کے شبتان کو روشن کرنے کے لیے کافی ہے:

عیش ہے عیش کہ اس مہ کا خیال روشن
شمع روش کیا مجھ دل کے شبتان میں آ۱۱

درج ذیل چند اشعار واضح کرتے ہیں کہ حسن کس کس انداز سے دلوں کے تار چھیڑتا ہے اور حسن آنکھوں کو روشن کرتا ہے:

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں ۱۲
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو ۱۳
اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے ۱۴

غزل کا تغزل اس بات کا متقاضی ہے کہ حسن کو جنسی امتیاز سے ماوراء رکھا جائے لیکن بعض صورتوں میں شاعر شعر میں ایسے اشارے دے دیتا ہے کہ نسوانی حسن واضح ہو جاتا ہے۔ امر پرستی غزل کے موضوعات میں ایک ایسا غیر اخلاقی موضوع ہے جس نے غزل کے تصورِ حسن کو مجروح کیا۔ نو عمر، خوبصورت، سبز خط لڑکوں سے محبت اور ان کے حسن کو بہت سے شاعروں نے برتایا ہے کہ میر تقی میر جیسا شاعر بھی اس سے دامن نہ چھڑا سکا اور اعلانیہ اپنی غزلوں میں عطار کے لونڈے سے دوا لینے اور اس سے عشق کا اظہار کر ڈالا۔ آہستہ آہستہ حسن شاہد بازاری کے چنگل سے نکل کر گھریلو سطح پر آ پہنچا جہاں کوٹھے پر ننگے پاؤں کی چاپ بھی اپنے اندر حسن رکھتی ہے۔ آرائشِ جمال اور نقابِ رخ سے اُلٹے ہی چاند نکلنے کا تذکرہ کرتے ہوئے شعرِ احسن کو اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نہ صرف بیان کرتے ہیں بلکہ قاری کو بھی اس سے محظوظ کرتے ہیں۔

یونانی تصور کے زیر اثر غزل میں حسن نے نرگسیت بھی پیدا کر دی۔ محبوب کے حسن کو سراہتے سراہتے عاشق اپنے ہی حسن پر

والہ و شیدا ہو گیا۔

مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف نگاہیں
دل ہی کو بت بنایا دل ہی سے گفتگو کی ۱۵

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں
میری آغوش کو اب حسرت آغوش نہیں ۱۶

یہ غیر فطری تصور بہت دیر تک غزل میں نہ چل سکا اور حسن اپنے تمام تر مزوایما کے ساتھ غزل کا حصہ بنا رہا۔ اسی غزل نے مقبول عام کا درجہ حاصل کیا جس میں چلمن کی تیلیوں کے پیچھے سے نظارہ کرنا ہی عاشق کی معراج ٹھہرا۔ صاحب عقل قاری حسن کی تفہیم وجدانی انداز میں کرتا اور شاعر حسن اور حسن کاری کے لیے نادر تلازمے استعمال کرتا ہے۔

اس لطف سے نہ غنچہ زر گس کھلا کبھو
کھلنا تو دیکھ اس مژہ نیم باز کا ۱۷
اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے ۱۸
ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ دشمن تمکین و ہوش ہے ۱۹

غزل کا سفر اپنی تمام تر عنایوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ کلاسیکی شعر کے بعد جدید غزل گو شعرا نے اُسے مختلف پیرہن عطا کیا۔ لیکن حسن اور اس کے اظہار میں حالات اور خیالات بدلنا شروع ہو گئے۔ جب اینٹی غزل کی فضا پیدا ہوئی تو نظم نگاری کو عروج ہوا اور غزل کو نیم وحشی صنف قرار دینے پر زور دیا جانے لگا۔ ایسے موقع پر بھی کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے غزل کا دامن تھامے رکھا اور اس کی لطافت اور حسن کاری کو چار چاند لگائے۔ ان شعرا میں اصغر گوٹروی، جگر مراد آبادی اور حسرت موہانی وہ رجحان ساز شاعر تھے جن کے ہاں کلاسیکی رچاؤ تھا اور حسن کے نئے تصورات بھی۔ البتہ یہ ہوا کہ انہوں نے حسن کو شاید بازاری کے تصور سے آزاد کرایا اور گھریلو سطح پر حسن کی تفہیم کی۔ اصغر کے ہاں حسن اس کے اجتماعی تاثر کا نام ہے۔ جمال کے جلوے اُن کے بیان سے ماورا ہو جاتے ہیں۔ اپنے مختصر کلام میں انہوں نے حسن کے حقیقی و مجازی دونوں پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے۔ جگر مراد آبادی کی غزل بھی حسن مطلق کے ساتھ ساتھ حسن مجازی سے تحریک لیتی ہے۔ وہ نظری حسن کے علاوہ حیاتی تاثر بھی اپنے کلام میں پیش کرتے ہیں۔ نیز حسن کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہ کس طرح انسانی نفسیات اور دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے اور کیف و نشاط کشید کرتا ہے۔ حسرت موہانی نے کلاسیکی اساتذہ سے کسب فیض تو کیا لیکن وہ حسن کو ارضی سطح پر لے آئے جہاں ننگے پاؤں کی چاپ بھی اُن کے دل کے تاروں میں ارتعاش پیدا کر دیتی ہے۔ مجموعی طور پر اس دور میں حسن حسن بھی ہے اور حیاتی نشاط کا سبب بھی۔ یہ دور حسن کے جلوؤں سے مجموعی کیف و نشاط کے بیان کا دور ہے:

ترے جلوؤں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی
 زبان بے نگہ رکھ دی، نگاہ بے زبان رکھ دی ۲۰
 تم سامنے کیا آئے اک طرفہ بہار آئی
 آنکھوں نے مری گویا فردوسِ نظر دیکھا ۲۱
 اے شاہدِ حسن ترے آگے
 ہر نقشِ جمال خط کشیدہ ۲۳
 تاثیرِ برقِ حسن جو اُن کے سخن میں تھی
 اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی ۲۴
 روشن جمالِ یار سے ہے انجمنِ تمام
 دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمنِ تمام ۲۵

درج بالا اشعار اس دورِ جدید کے تصورِ حسن کو واضح کرتے ہیں کہ شاعر محض حسن کے نظارے سے ہی حظ نہیں اٹھاتا بلکہ اس کی
 حتیٰ خصوصیات بھی اس کے دل میں کیف و نشاط کا سبب بنتی ہیں۔

غزل نے بیسویں صدی میں کئی کروٹیں لیں اور شاعری اس صدی کے انقلابی تغیرات سے بھی متاثر ہوئی۔ علی گڑھ تحریک کی
 سپاٹ مقصدیت نے ادب کو آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا لیکن بیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی رومانی تحریک کے علمبرداروں نے شاعری میں
 حُسن کے نئے رنگ و آہنگ داخل کرنے شروع کیے۔ اس سلسلے میں ”مخزن“ نے قابلِ ذکر اور قابلِ قدر کام کیا۔ علامہ اقبال، جوش ملیح
 آبادی، حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی کے نام اس دور کی پہچان بن گئے۔ یہاں غزل میں حسن کا تصور فطرت کی خوبصورتی، پراسراریت
 اور طلسماتی کشش کو عورت کے حسن میں تلاش کیا گیا اور ایک دفعہ پھر نسوانی حسن ایک بھرپور موضوع کی شکل میں سامنے آیا۔ داغ کا تتبع
 کیا گیا لیکن خارج کی بجائے داخلی جذبات کو تخیل کے رنگین لبادے میں سمجھا گیا۔ حسن کے لیے حسن معانی کی مشاطگی پر بھی زور دیا گیا۔
 ظاہر کی آنکھ سے تماشا کرنے کی بجائے دیدہ دل وا کرنے کو ضروری سمجھا گیا۔ جوش اور اختر کے ہاں خارجی و ظاہری مظاہر داخلی اسرار پر
 حاوی رہے۔ فطرت اور کائنات کی خوبصورتی کے ساتھ نسوانی حسن کی مطابقت نظر آئی۔ حسن کو ایک نوخیز دلہن کا روپ بھی دیا:

میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معانی کو
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی ۲۶
 نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
 نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی ۲۷

کوئی آیا تری جھلک دیکھی
 کوئی بولا سنی تری آواز ۲۸
 اس پیکر بہار کی کیا بات ہے ندیم
 چھو لے اگر تو سرو میں آئیں سمن کے پھول ۲۹

یوں حسن کا تصور ہر تحریک کے ساتھ مختلف موضوعات کو سامنے لاتا رہا۔ ترقی پسندوں نے جمہور کی آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ حسن کے اسرار بھی حل کیے۔ مقصدیت کو انھوں نے نظم تک محدود رکھا اور غزل میں حسن و جمال کے تذکرے سے اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔ فیض احمد فیض، جاں نثار اختر، احمد ندیم قاسمی جیسے شعرا نے حسن کے اظہار میں کمال دکھائے۔ یہاں بھی حسن دیکھنے کے ساتھ ساتھ محسوس کیا جانے لگا۔ حسن کے ساتھ ساتھ دیکھنے والی آنکھ کو بھی اہم گردانا گیا۔ کجراے نیوں کا طلسم بھی پوری آب و تاب کے ساتھ چھایا رہا۔

وہ نظر بہم نہ پہنچی کہ محیط حسن کر کے
 تری دید کے وسیلے خدو خال تک نہ پہنچے ۳۰
 رنگ پیرہن کا خوشبو زلف بکھرانے کا نام
 موسم گل ہے تمھارے بام پر آنے کا نام ۳۱
 ہر لفظ ترے جسم کی خوشبو میں ڈھلا ہے
 یہ طرز یہ اندازِ سخن ہم سے چلا ہے ۳۲
 تری زلفیں، تری آنکھیں، ترے ابرو ترے لب
 اب بھی مشہور ہیں دنیا میں مثالوں کی طرح ۳۳
 حسن سے یوں تو فرشتے بھی اثر لیتے ہیں
 فرق یہ ہے مرا اندازِ نظر اپنا تھا ۳۴
 کنول کنول ہے سراپا، غزل غزل چہرہ
 وہ ہو بہو کسی شاعر کے خواب جیسی ہے ۳۵

ان اشعار میں حسن اور محیط حسن کی نارسائی کا گلہ بھی ملتا ہے۔ نئے اندازِ سخن کا احساس بھی، کنول سراپا شاعر کا خواب دکھائی دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر ایک اپنے اپنے انداز سے حسن کو دیکھ رہے ہیں۔

اردو غزل جو اب ایک مضبوط سانچے میں ڈھل چکی تھی اس کو ایسی سازگار فضا میسر آگئی کہ تنگنائے غزل کا گلہ دور ہو گیا۔ بیسویں صدی کا آخری حصہ حسن کی تشریحات اور حیاتی و کیفیاتی غزل سے بھرپور نظر آتا ہے۔ کلاسیکی اثر کے تحت سراپا نگاری بھی ہے، حسن سماعت کو بھی لبھاتا ہے، اس کی خوشبو مسور کن ہے، اس کا لمس جاں بخش ہے شعر کا تخیل حسن کو ان دیکھے جزیرے کی طرح مسخر کرتا ہے۔ اگرچہ حسن ہر جگہ موجود ہے لیکن انداز بیان اس کے کینوس میں مختلف رنگ بھر دیتا ہے، شاعر قدموں کی آہٹ اور ہوا کی دستک سے بھی حسن کو محسوس کرتا ہے۔ وہ لفظوں سے حسن کی تصویریں کھینچتا ہے۔ جلوؤں کے اتنے نظاروں کے بعد بھی اسے کم یابی کا گلہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ حسن کی یاد بھی اسے ایک نئی طرح کی آسودگی بخشی ہے اور شاعر خواہوں سے صورتیں تراشتے ہیں:

رنگ و خوشبو کی داستانوں پر
کوئی لکھوائے حاشیے ہم سے ۳۶
ذوقِ نظارہ، عیشِ تمنا، نشاط و وصل
دیکھا ہے ہم نے حسن کو کس کس نظر کے ساتھ ۳۷
بس ایک چہرہ کتابی نظر میں ہے ناصر
کسی کتاب سے میں استفادہ کیا کرتا ۳۸
یہ میرے دل میں کیسا مشکِ نافہ رکھ دیا تو نے
مجھے اپنے پہلو سے بھی آتی ہے تیری خوشبو ۳۹
یہ ہم جو باغ و بہاراں کا ذکر کرتے ہیں
تو مدعا وہ گل تر وہ سرو قامت ہے ۴۰

قیام پاکستان کے بعد دونوں نسوانی توانا آوازیں بھی حسن کی مدح و ستائش کرتی نظر آتی ہیں۔ ادا جعفری بنیادی طور پر ترقی پسند رجحان رکھتی تھیں۔ نیز انتظار اور ہجران کی غزل میں غالب موضوع ہے لیکن اس کے باوجود حسن اور اس کا ادراک ان کے ہاں بھی جذبے کا جادو جگاتا ہے۔ وہ ایک قدامت پسند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور ”لوگ کیا کہیں گے“ کا خوف لاشعور میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا چنانچہ نظری حسن سے زیادہ حیاتی حسن ان کی غزل کو سجاتا ہے۔

ایک آئینہ رو برو ہے ابھی
اس کی خوشبو سے گفتگو ہے ابھی
دل کے سنسان راستوں پہ کہیں
تیری آواز اور تو ہے ابھی ۴۱

پروین شاکر کے ہاں حُسن ”خوشبو“ میں ایک توانا استعارے کی شکل میں وجود میں آیا۔ اُن کی غزلوں کا بیشتر حصہ صوتی و بصری حسن کے تذکرے سے مالا مال ہے۔ حسن کا تذکرہ انسانی تجربے اور کیفیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ حسن کو دیکھنا، سننا، سونگھنا اور چھونا سبھی کچھ ان کے ہاں ملتا ہے۔

الفاظ تھے کہ اس کے بہاروں کے پیغامات
خوشبو سی برسنے لگی، یوں پھول جھڑے وہ ۴۲

اردو غزل کا کلاسیکی عہد ہو یا عہد جدید، حسن سے محفوظ ہونا اور اس کے متنوع پہلوؤں کو پیش کرنا شعر اکا مرغوب موضوع رہا ہے۔ حسن کا یہ بیان محبت، زندگی اور کائنات کے رازوں کا ہم راز اور دم ساز ٹھہرتا ہے۔ شعر اُنے بصری حسن، حسن صوت اور جمال کی خوشبو اور پھر اس کے لمس کو آسودگی جاں قرار دیا ہے۔ مجموعی لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو غزل میں حسن اور اس کے ادراک کو بہت اہم موضوع سمجھا اور برتا گیا۔ انسانی فطرت حسین ہے اور حسن کو پسند کرتی ہے اور غزل نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔

حوالہ جات:

- ۱۔ بادی حسین، محمد۔ مغربی شعریات۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۰ء، ص ۲۹۴
- ۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر۔ تنقیدی دبستان۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۴
- ۳۔ مرزا غالب۔ دیوان غالب۔ (مرتبہ امتیاز علی خان عرشی)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۵
- ۴۔ داغ دہلوی۔ کلیات داغ۔ (مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۹۲
- ۵۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر۔ اردو غزل۔ لاہور: القمر انٹرنیشنل، ۱۹۵۲ء، ص ۷۰
- ۶۔ آتش، کلیات آتش (مرتبہ ظہیر الدین)۔ سندھ: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۶
- ۷۔ مرزا غالب۔ دیوان غالب۔ (مرتبہ امتیاز علی خان عرشی)۔ ص ۲۱۹
- ۸۔ منظر ایوبی، پروفیسر۔ اردو شاعری میں نئے موضوعات کی تلاش۔ کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۳
- ۹۔ مرزا غالب۔ دیوان غالب (مرتبہ امتیاز علی خان عرشی)، ص ۳۰۵
- ۱۰۔ سعادت ظہیر۔ شعرو شاعر۔ حیدر آباد: مینار بک ڈپو، سن، ص ۱۳۳
- ۱۱۔ ولی دکنی۔ انتخابِ زریں اردو غزل۔ (مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)۔ لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص ۳۹
- ۱۲۔ رفیع سودا، مرزا محمد۔ کلیات سودا۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۱
- ۱۳۔ مومن خان مومن۔ کلیات مومن (مرتبہ کلب علی خان فائق)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۴
- ۱۴۔ مرزا غالب۔ دیوان غالب (نسخہ عرشی)۔ ص ۳۱۸
- ۱۵۔ جگر مراد آبادی۔ کلیات جگر۔ (مرتبہ رانا خضر سلطان)۔ لاہور: بک ٹاک ۲۰۱۲ء، ص ۳۹۹
- ۱۶۔ ایضاً۔ ص ۳۷۱

- ۱۷۔ میر تقی میر۔ کلیات میر (جلد دوم)۔ (مرتبہ کلب علی خاں فائق)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۱ء، ص ۱۸
- ۱۸۔ مرزا غالب۔ دیوان غالب (نسخہ عرشی)۔ ص ۲۳۶
- ۱۹۔ مرزا غالب۔ ایضاً۔ ص ۳۰۳
- ۲۰۔ اصغر گونڈوی۔ کلیات اصغر۔ لاہور: مکتبہ شعر و ادب، سن، ص ۳۴
- ۲۱۔ ایضاً۔ ص ۳۲
- ۲۲۔ جگر مراد آبادی۔ کلیات جگر۔ ص ۱۹۵
- ۲۳۔ ایضاً۔ ص ۵۸۲
- ۲۴۔ حسرت موہانی۔ کلیات حسرت۔ (مرتبہ رانا خضر سلطان)۔ لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۱
- ۲۵۔ ایضاً۔ ص ۵۸
- ۲۶۔ اقبال، علامہ۔ کلیات اقبال (اردو): اقبال اکادمی پاکستان۔ ۲۰۱۳ء، ص ۳۵۳
- ۲۷۔ ایضاً۔ ص ۱۲۸
- ۲۸۔ جوش ملیح آبادی۔ جوش کی شاعری۔ لاہور: مکتبہ اردو ادب۔ سن، ص ۲۷۰
- ۲۹۔ اختر شیرانی۔ کلیات اختر شیرانی (مرتبہ ڈاکٹر یونس حسن)۔ لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۳
- ۳۰۔ فیض احمد فیض۔ نسخہ ہائے وفا۔ لاہور: مکتبہ کارواں۔ سن، ص ۱۵۱
- ۳۱۔ ایضاً۔ ص ۶۷۰
- ۳۲۔ جان نثار اختر۔ کلیات جان نثار اختر (مرتبہ ناصر زیدی)۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۱
- ۳۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۹
- ۳۴۔ احمد ندیم قاسمی۔ ندیم کی غزلیں۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۶
- ۳۵۔ قتیل شفائی۔ رنگ خوشبور و شبنم۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۹
- ۳۶۔ اطہر نفیس۔ کلام۔ لاہور: مکتبہ فنون، ۱۹۷۵ء، ص ۴۷
- ۳۷۔ صوفی تبسم۔ کلیات صوفی تبسم۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۵
- ۳۸۔ ناصر کاظمی۔ دیوان۔ مشمولہ کلیات ناصر کاظمی۔ لاہور: جہانگیر بک ڈپو، سن، ص ۱۰۳
- ۳۹۔ سیف الدین سیف۔ کف گل فروش۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۷۳
- ۴۰۔ احمد فراز۔ شہر سخن آراستہ ہے (کلیات)۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۳۳۵
- ۴۱۔ ادا جعفری۔ موسم موسم۔ کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۲ء، ص ۵۹۱
- ۴۲۔ پروین شاکر۔ خوشبو مشمولہ ہاتھ نام۔ اسلام آباد، مراد پبلی کیشنز، سن، ص ۸۶